تہذیبِ نفس کا اسلامی منہج: مولانا رومی کے افکار کا تجزیاتی مطالعہ

The Islamic Approach to Soul Purification: An Analytical Study of Maulana Rumi’s Thoughts

**** Muhammad Hassan Raza, ** Muhammad Shahid, *** Dr. Syed Noor Ul Hassan Hashmi***

** Ph.D. Research Scholar, Department of Islamic studies, Riphah International University Islamabad.*
*** M.Phil. research Scholar, Department of Islamic studies, Riphah International University, Islamabad.*
**** Lecturer, Islamic Studies, Arid Agricultural University, Rawalpindi.*

KEYWORDS

Maulana Rumi
Purification of Soul
Quran
Sharīʿah
Soul
Sunnah

ABSTRACT

This paper presents an analytical exploration of the Islamic concept of soul purification (تزکیۂ نفس) through the lens of Maulana Rumi's philosophical and spiritual insights. Drawing on his seminal works—Fīhi Mā Fīhi, Maktūbāt, Majālis-i Sabʿa, Dīwān-i Shams, and Masnavī Maʻnavī—this study examines the interplay between self-discipline, inner purification, and spiritual development. Key themes include the nature of the self (نفس), desire (شہوت), self-delusion (فریبِ نفس), repentance (توبہ), contemplation of death (فکرِ موت), and attaining closeness to Allah (وصول الی اللہ), all of which constitute the essential pillars of Rumi’s teachings on spiritual refinement. Rumi’s approach to soul purification integrates Islamic jurisprudence (Sharīʿah), Qur’anic ethics, and Prophetic traditions (Sunnah), emphasizing the need for self-awareness, detachment from material distractions, and reliance on divine guidance. He metaphorically describes the self as a raging fire of unchecked desires, which, if not controlled through disciplined action and spiritual introspection, can lead to moral decay. This paper explores how Rumi’s teachings provide a systematic framework for overcoming spiritual and moral weaknesses, offering timeless solutions to contemporary ethical dilemmas. In addition to Rumi’s own writings, this research engages with classical Sufi interpretations and contemporary scholarly analyses to contextualize his model of self-purification within the broader Islamic intellectual tradition. By bridging classical mysticism with modern spiritual and ethical challenges, this paper contributes to the discourse on Islamic moral philosophy, self-discipline, and personal transformation. The findings underscore the enduring relevance of Rumi’s philosophy, demonstrating how his insights into soul purification can serve as a practical guide for achieving inner harmony, ethical integrity, and spiritual enlightenment in today’s world. The study ultimately advocates for a revival of classical Islamic spiritual teachings as a means to address contemporary psychological and moral crises.

*Corresponding Author: Muhammad Hassan Raza
Email Address: *hassani97edu@gmail.com*

تعارف

اس آرٹیکل میں تہذیبِ نفس کے اسلامی منہج کو مولانا رومی کے افکار کی روشنی میں تجزیاتی طور پر بیان کیا گیا ہے۔ مضمون کے اجزاء کے ذیلی عنوانات میں تعارفِ نفس، آتشِ شہوت، فریبِ نفس اور تہذیب، تزکیۂ نفس اور تصفیہ باطن، توبہ سے تہذیب، فکرِ موت سے تہذیب اور وصول الی اللہ کا طریقہ شامل ہے۔ ان سب اجزاء کو افکارِ رومی کی روشنی میں ان کی علمی اور فکری کتب جن میں فیہ ما فیہ، مکتوباتِ مولانا جلال الدین رومی، مجالسِ سبعہ، دیوانِ شمس اور مثنوی معنوی کے تناظر میں بیان کیا گیا ہے۔ نیز تحقیق میں افکارِ رومی کی روشنی میں تہذیبِ نفس کے اسلامی منہج کو بیان کرنے کے لیے دیگر شروحات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

تعارفِ نفس

عقل نفس کے آگے مغلوب ہو جاتی ہے۔ دوزخ جس کو نفس کے ساتھ تشبیہ دی جاسکتی ہے وہ بلائے عظیم ہے کہ ساری مخلوق کو لقمہ بنا لینے پر بھی اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ رومی کے ہاں نفس بھی دوزخ کا ایک جزو ہے اور جز میں کل کے خواص ہوتے ہیں اور چوں کہ دوزخ نفسِ ذمیمہ کا مرجع ہے اس لیے مرجع ہونے کے لحاظ سے دوزخ کو کل کہہ دیا اور کل اپنے جز کا اور اصل اپنے فرع کا مرجع ہوتا ہے۔

رومی سے مجالسِ سبعہ میں منقول ہے کہ: "اگر تو از ظلمتِ نفس وھوی بیرون آیی و در نور صبح دل در آیی و بہ نور دل بنگری، اغلب خلق را در بستان دین، ھمچو آن مترس بستان بینی۔" (جلال الدین، ر، ۱۰۱) یعنی اگر آپ نفس کے اندھیروں اور خواہشات سے نکل کر صبح کے اجالے میں آئیں اور دل کے نور سے جھانکیں تو آپ کو اکثر لوگ دین کے باغ میں ایسے ہی نظر آئیں گے جو باغ سے ڈرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رومی کے ہاں نفس کی اصلاح دین داروں کو بھی ہمیشہ رہتی ہے اور جو نفس کے اندھیروں اور خواہشات میں بھٹکتا رہتا ہے اسے بھی رہتی ہے۔ چناں چہ رومی رقمطراز ہیں:

ای شھان کشتیم ما خصمِ برون — ماند خصمی زو بتَر در اندرون
کشتنِ این، کارِ عقل وھوش نیست — شیر باطن سخرۂ خرگوش نیست
دوزخ است این نفس و دوزخ اژدھاست — کو بہ دریاھا نگردد کمّ وکاست
چونکہ جزوِ دوزخ است این نفس ما — طبع کُل دارد ھمیشہ جزوھا
این قدم حق را بود کورا کُشد — غیر حق خود کہ کمانِ او کشد؟
قوّت از حق خواہم و توفیق ولاف — تا بہ سوزن بر کَنَم این کوہِ قاف (جلال الدین، م، ر)

یعنی اے بزرگو! ہم نے باہر کے دشمن کو مار ڈالا لیکن اس سے زیادہ بدتر دشمن باطن میں بچارہ گیا۔ اس دشمن کو مارنا عقل وہوش کا کام نہیں ہے۔ باطن کا شیر خرگوش کے قابو کا نہیں ہے۔ یہ نفس دوزخ ہے اور دوزخ اژدہا ہے کہ وہ دریاؤں سے بھی کم نہیں ہوتا۔ چوں کہ ہمارا یہ نفس دوزخ کا حصہ ہے اور اجزاء ہمیشہ کل کی طبیعت رکھتے ہیں۔ یہ اللہ ہی کا قدم ہو گا جو اس کی پیاس بجھائے گا۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے کون ہے جو اس کی کمان کو کھینچے۔ خدا تعالیٰ سے (سمندر کو چاک کرنے والی) قوت (اور توفیق) چاہتا ہوں تاکہ اس کوہِ قاف کو سوئی سے اکھاڑ دوں۔

شرح جامع مثنوی معنوی میں ہے:

"کشتنِ نفسِ امارہ، کارِ عقل و ھوش جزوی نیست، زیر اشیر باطن، یعنی نفس امارہ مغلوب خر گوش عقل و ھوش جزوی نمی شود۔ فقط با تھذیب و تکمیل نفس و سلوک درست می توان از گزند نفس رھا شد۔ "(کریم زمانی، ۴۴۴)

یعنی نفس امارہ کو مارنا عقل اور جزوی ذہانت کا کام نہیں ہے، کیوں کہ اندرونی شیر یعنی نفسِ امارہ کو عقل کے خر گوش اور جزوی ذہانت سے شکست نہیں ہوتی۔ صرف نفس کی تہذیب و تکمیل اور درست راہ پر چلنے سے ہی انسان نفس کے کانٹے سے رہائی پا سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص نفسِ امارہ سے مغلوب ہو تو اس کی رہائی تہذیبِ نفس سے ہی ممکن ہے۔

مولوی اشرف تھانوی لکھتے ہیں:

"خر گوش سے مراد عقل استدلالی ہے جو تہذیبِ نفس کے لیے کافی نہیں کیوں کہ اس بیچاری عقل کو اول تو خود بہت غلطیاں تعیینِ حسن و قبح میں واقع ہوتی ہیں اور جس جگہ صحیح بھی سمجھ گئی ہو مگر ہمت و کفِ نفس تو اس کا کام نہیں کیوں کہ عقل میں قوتِ علمیہ ہے نہ قوتِ عملیہ، اس لیے وہ کافی نہیں۔ "(حکیم الامت، م، ا، ع، ت، ۳۷۲)

یعنی عقل تہذیبِ نفس کے لیے کافی نہیں کیوں کہ عقل تو معلومات کا ذریعہ ہے تاہم تہذیبِ نفس کے لیے عقل کے ساتھ ساتھ عمل کی ضرورت ہے کہ بندہ خود مستعد ہو نفس سے رہائی کا اس طرح اس کے لیے یہ راہ آسان ہو جائے گی۔ نذیر عرشی کہتے ہیں:

نفس کو دوزخ کی مناسبت سے کسی حد تک سیری حاصل نہیں ہوتی اور جس طرح دوزخ کو قدمِ حق سے سکون حاصل ہو گا اسی طرح نفس کو بھی جذبۂ عشقِ الٰہی سے تسکین اور قناعت میسر ہو سکتی ہے۔ (مولوی، م، ن، ع، ۴۹۳)

نذیر عرشی کے اس تبصرہ کے مطابق نفس کو عشقِ الٰہی کی تلوار سے ہی زیر کیا جا سکتا۔ لہٰذا بندہ کی تہذیبِ نفس کے لیے ماسوا اللہ کی قید سے رہائی ضروری قرار پاتی ہے، تب ہی وہ اپنے نفس کو مہذب بنا سکتا ہے اور اپنے ظاہری اور باطنی اخلاق درست کر سکتا ہے۔

نفس دوزخ کا سرچشمہ ہے اس لیے کہ دوزخ کے اسباب نفس میں ہیں۔ جیسے دوزخ کے سات دروازے ہیں ایسے ہی نفسِ امارہ کی سات صفات ہیں: 1۔ کبر، 2۔ حرص، 3۔ شہوت، 4۔ حسد، 5۔ غضب، 6۔ بخل، 7۔ مفر۔ انھی صفات کی وجہ سے نفس کو دوزخ کہا گیا ہے پھر جیسے دوزخ کا دنیوی دریاؤں سے بجھنا محال ہے ایسے ہی نفس کا دنیوی لذات و شھوات سے سیر ہونا مشکل ہے۔ (فیض، م، م، ف، ا، ا، ۴۲۴)

فیض احمد اویسی کی اس توجیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے مذکورہ اخلاقی عیوب نفسِ امارہ کی صفات ہیں۔ اور یہ تمام عیوب اپنی اصل میں دوزخ کا جزو ہیں لہٰذا اس وجہ سے نفس کو مولانا نے دوزخ سے تعبیر کیا ہے۔

رومی کے نزدیک نفس سے بت پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ تمام گناہوں اور کفر و شرک کا مولد و مبدا نفس ہی ہے۔ بت بے شک آلۂ شرک و کفر ہیں مگر نفس بتوں کی بھی ماں ہے۔ بت اگر اپنے خبث و شر کے لحاظ سے سانپ ہیں تو نفس اژدہا ہے۔ یعنی نفس جامعِ خبائث اور مظہر شرور ہے نیز یہ مصدرِ فواحش ہے۔

زر وزن را بہ جان مپرست زیرا　　برین دو دوخت یزدان کافری را
جھادِ نفس کن، زیرا کہ اجری　　برای این دھد شہ لشکری را (رومی، ۱۰۴)

یعنی مال اور عورت کے لیے جان نہ دے کیوں کہ یہ دونوں کفر کے خدا (شیطان) کے ٹانکے ہیں۔ نفس کے ساتھ جہاد کر، کیوں کہ اس کا اجر ہے۔ اس کے لیے بڑا لشکر تیار رکھ۔

رومی نے اپنی دیوان کی اس رباعی میں اس بات کی ترغیب دی ہے کہ مال اور عورت کی خواہشات جو بندے کو اندھا کر دیتی ہیں اگر ان کی بجائے نفس کے ساتھ جہاد کیا جائے اور اس کے لیے اپنے آپ کو ظاہری اور باطنی طور پر تیار کیا جائے تو اس کا اللہ کے ہاں اجر و ثواب ہے۔

رومی فیہ مافیہ میں کہتے ہیں: تو این وجود را پرورد ی کہ در او تمیز نیست۔ تمیز آن یک صفت است نمی بینی کہ دیوانہ را دست و پای ھست اما تمیز نیست۔ تمیز آن معنی لطیفی است کہ در توست و شب و روز در پرورش آن بی تمیز مشغول بودہ ای۔ (رومی، ۲۳)

یعنی تو ایسے جسم کی پرورش کرتا ہے جس میں قوتِ ممیّزہ نہیں تھی اور قوت ممیزہ تو ایک صفت ہے جو انسان میں اس طرح موجود ہے کہ نظر نہیں آتی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ دیوانہ بھی دوسرے صاحبِ عقل و شعور انسانوں کی طرح جسم ہاتھ، پاؤں تو رکھتا ہے لیکن قوتِ ممیزہ یعنی عقل و شعور سے عاری ہے۔ قوت ممیزہ یا تمیز ایک پاکیزہ لطیفۂ باطنی ہے جو تیرے اندر موجود ہے لیکن تو دن رات جسمِ بے تمیز کی پرورش میں مشغول ہے۔ معلوم ہوا کہ انسان اگر عقل و شعور کی مدد سے نفس کی پرورش کی بجائے اس کی تہذیب پر توجہ دے تو بھی نفس کا سدھار ممکن ہے۔ مگر جب تک اللہ کی مدد شاملِ حال نہ ہو گی انسان قوتِ ممیزہ کے ذریعے بھی اپنے نفس کی تہذیب نہیں کر سکتا جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ پھر رومی نے نفس کو تمام بتوں کی ماں قرار دیا ہے۔ چناں چہ رقمطراز ہیں:

مادرِ بتھابتِ نفسِ شماست　　زانکہ آن بت مار و این بت اژدھاست
آھن و سنگست نفس و بت شرار　　آن شرار از آب می گیرد قرار
بت شکستن سھل باشد، نیک سھل　　سھل دیدن نفس را جھلست جھل
صورتِ نفس ار بجوئی ای پسر　　قصّۂ دوزخ بخوان باھفت دَر
ھر نَفَس مکری و در ھر مکر زان　　غرقہ صد فرعون با فرعونیان
دست در اندر اَحَد وَ احمد بزن　　ای برادر وارہ از بو جھلِ تن (رومی، ۱۷۷)

تمہارا نفس تمام بتوں کی ماں ہے، کیوں کہ وہ بت سانپ اور یہ بت اژدہا ہے۔ نفس لوہا اور پتھر ہے اور بت، چنگاری۔ چنگاری، پانی سے بجھ جاتی ہے بت توڑنا، آسان، اور بہت آسان ہوتا ہے نفس کے معاملہ کو آسان سمجھنا نادانی ہی نادانی ہے۔ اے بیٹا! اگر تجھے نفس کی تصویر کی جستجو ہے تو سات دروازے والی دوزخ کا قصہ پڑھ لے۔ (اس نفس کے) ہر سانس میں ایک مکر ہے اور اس کے ہر مکر میں سو فرعون، فرعونیوں کے ساتھ غرق ہیں۔ اَحد اور اَحمد ﷺ سے تعلق پیدا کر۔ اے بھائی! جسم کے ابو جہل سے چھٹکارا حاصل کر۔

رومی نے یہاں نفس کو امِ بت کہا ہے اور ساتھ ہی اس کی تہذیب کی صورت بھی بیان کر دی کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ تعلق پیدا کر کے اس جسمانی ابو جہل سے خود کو محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔

اشرف تھانوی اور فیض احمد اویسی رقمطراز ہیں کہ:

نفس کا شر بُت کے شر سے زیادہ ہے کیوں کہ شر بُت بھی تو شر نفس سے ہی پیدا ہوا ہے۔(تھانوی، ۲۳۳) نفس ہمیشہ لذاتِ نفسانیہ اور بدنیہ میں گرفتار رہتا ہے اور اس کا سب سے بڑا نتیجہ، جو سب سے بُرا ہے ابنائے جنس پر تکبر ہے اور چوں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام بھی بشری لباس میں تشریف لائے اسی لیے نفس ان پر بھی تکبر کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی مخالفت اور بت پرستی کی رغبت دلاتا ہے۔ اسی لیے نفس کو مادرِ بُت کہنا بجا ہے۔ کیوں کہ نفس تمام برائیوں اور گناہوں کا مخزن ہے۔ اور بُت سانپ کی مانند ہے اور بُتِ نفس اژدہا یعنی تمام بتوں سے بڑا ہے۔(اویسی، ۵۷۳)

رومی کے مکتوبات میں موجود ہے کہ:

"تن را بہ گِل تیرہ نسبت کرد و جان را بہ نفخۂ روح خود، تا آن نور و نفخۂ ربانی این گِلِ تیرہ را آلت خود سازد در اصلاح و معدلت و حفظ امانت خدا، تا سبب نجات بود و رفعت و درجات، نہ چنانکہ این گلِ تیرہ آن چراغ را، بہ طمعِ نورِ نفخت فیہ من روحی را آلت خود سازد در عذر و دزدی۔"(رومی، ۱۸۱)

جسم کو مٹی کی لاش سے منسوب کر اور جان کو اپنی نفخۂ روح سے منسوب کر تا کہ وہ نور اور نفخۂ ربانی اس مٹی کی لاش کو خود آلہ بنائے اصلاح اور معدلت اور خدا کی امانت کی حفاظت میں، تا کہ نجات کا اور درجات کی بلندی کا سبب بنے، نہ کہ یہ مٹی کی لاش اس چراغ کو نفخت فیہ من روحی کی طمع میں آلہ بنائے عذر میں اور چوری میں۔

معلوم ہوا کہ نفس کا شر اس کی ذات میں ہے جب کہ بُت کا شر تو بُت پرست کے فعل پر موقوف ہوتا ہے۔ نیز جیسے دوزخ کے سات دروازے نفس کی شرور و آفات پر دلالت کرتے ہیں ایسے ہی نفس بھی شرور و مفاسد کا جامع ہے۔ بلکہ دوزخ کے شرور نفس کے شرور کا نتیجہ ہیں۔ انسان دوزخ کے حالات معلوم کرنے سے اپنے نفس کی حالت کا اندازہ اور اپنے اعمال کی جانچ کر سکتا ہے۔ دوسرا یہ کہ نفسِ امارہ سات دروازوں والے دوزخ کے ساتھ تشبیہ کامل رکھتا ہے۔ نجات اور درجات کی بلندی کا سبب اسی صورت میں ہے کہ نفس کی نورِ الٰہی کے ذریعے اصلاح اور معدلت کی جائے۔ جب نفس مہذب ہو جائے تو خود بخود انسان طاعات کی طرف راغب ہو جائے گا۔

آتشِ شہوت:

شہوت کی آگ نفس کی ہولناک آفات میں سے ایک آفت ہے۔ شہوت کی غلامی کسی انسان کی غلامی سے بدتر ہے۔ آقا سے غلام کی آزادی حاصل کرنا آسان ہوتا ہے مگر نفس کی غلامی سے بندۂ شہوت کی خلاصی آسانی سے ممکن نہیں ہے۔ رومی نے اس حوالہ سے بہت خوبصورت بات کی ہے کہ اگر انسان عقل کو اپنا تابع فرمان رکھے تو شہوت کی آگ کو آخرت کی شہوت میں تبدیل کیا جا سکتا ہے جس سے نفس تہذیب پاتا ہے۔ چناں چہ فیہ مافیہ میں کہتے ہیں:

عقل در تن آدمی ھمچون امیری است مادام کہ رعایای تن مطیع او باشد ھمہ کارھا بہ اصلاح باشد اما چون مطیع نباشند ھمہ بہ فساد آیند۔(رومی، ۶۴)

یعنی اچھی طرح سمجھ لو کہ عقل جسمِ انسانی میں امیر اور قائد کی طرح ہے! اور جب تک جسم کی رعایا اس کی مطیع اور فرمانبردار رہتی ہے تو تمام کام حُسن و خوبی انجام پاتے رہتے ہیں۔ لیکن جب وہ مطیع نہیں رہتے تو فساد اور بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ عقل کو قابو میں رکھنا انتہائی ضروری ہے تا کہ انسان روبفساد نہ ہو۔ اگر عقل شہوت پر غالب آ جائے تو انسان امتحان میں کامیاب ہو کر اللہ کے حضور خاص قرب پا لیتا ہے اور اگر انسان شہوت کے

پیچھے چلے تو وہ اسفل السافلین کے درجے میں آجاتا ہے۔ لہذا اس آگ کو عقل کے ذریعے نورِ خدا کی مدد سے ٹھنڈا کیا جا سکتا ہے۔ رومی اس حوالہ سے مزید لکھتے ہیں:

دُمّ این اُستورِ نَفست شھوتست　　زین سبب پَس پَس رود آن خودپرست

شھوتِ اوراکہ دُمّ آمد زبُن　　ای مُبدِّل، شھوتِ عُقبیش کن

نارِ شھوت می نیارامد بہ آب　　زآنکہ دارد طبعِ دوزخ در عذاب

چہ کُشد این نار را؟ نورِ خدا　　نورِ ابراھیم را ساز اُوستا

تاز نارِ نَفسِ چون نمرودِ تو　　وارھد این جسمِ ھمچون عُودِ تو (رومی، ۷، ۴۴۴)

تیرے اس جانور نفس کی دُم شہوت ہے اسی لیے وہ خود پرست ہٹتا چلا جاتا ہے۔ اُس کی شہوت کو جو اصل میں دُم ہے اے مخاطب! اس کو آخرت کی شہوت میں تبدیل کر دے۔ شہوت کی آگ پانی سے نہیں بجھتی۔ اس لیے کہ عذاب میں وہ دوزخ کا مزاج رکھتی ہے۔ اس آگ کو کیا چیز بجھا سکتی ہے؟ خدا کا نور (بجھا سکتا ہے)۔ (حضرت) ابراہیم کے نور کو استاد بنا لے تاکہ تیرے نمرود جیسے نفس کی آگ سے تیرا لکڑی جیسا جسم نجات پا جائے۔

کریم زمانی لکھتے ہیں:

این آتش شھوت را چہ چیز خاموش می کند؟ نورِ خدا آن را خاموش می کند۔ تو بکوش تا نورِ ابراھیم را چراغ ھدایت خودی سازی۔ (کریم زمانی، 1952)

یعنی شہوت کی آگ کو کون سی چیز خاموش کر سکتی ہے؟ نورِ خدا ہی ہے جو اسے خاموش کر سکتا ہے۔ انسان کی کوشش ہونی چاہیے کہ نورِ ابراہیمی کو اس ضمن میں چراغ بنائے۔ رومی کے اشعار سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ نفسِ پلید اعمالِ فاضلہ کی طرف آگے بڑھنے کی بجائے لذاتِ حسیہ کی طرف پیچھے ہٹتا چلا جاتا ہے۔ جس طرح دُم باقی تمام اعضاء سے مؤخر ہے اسی طرح شہوت تمام اخلاق سے معنیً پستر ہے۔ نفس کی دنیاوی خواہشِ لذات کو باقی رکھ کر لذاتِ آخرت مثل حور و قصور اور جنتی نعمتوں کی طرف متوجہ کر دینا چاہیے۔

فریبِ نفس اور تہذیب:

بعثتِ انبیاء علیہم السلام اور نزولِ احکام میں اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ انسان کو ہدایت ہو اور انسان عذابِ آخرت سے محفوظ رہیں اس کے علاوہ انسان کو عقل بھی عطا فرمائی تاکہ وہ اچھے اور برے اعمال میں تمیز کر سکیں پھر ان سب باتوں کے باوجود انسان مناہی یعنی جن کاموں سے روکا گیا ہے کے گڑھے میں گرنے اور معاصی کے دام میں پھنسنے سے باز نہیں آتے تو یہ انسان کا قصور ہے قدرت کا نہیں۔ رومی کے نزدیک انسان اپنے اندر کے تمام اخلاقی عیوب کو بُرا بھلا نہیں کہتا وہ اسے عزیز لگتے ہیں یہ تو صرف دوسروں میں ہی عیوب تلاش کرنے میں لگا رہتا ہے۔ انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ خود کو درست کرے۔ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

ھمہ اخلاق بد از ظلم و کین و حسد و حرص و بی رحمی و کبر چون در توست نمی رنجی چون آن را در دیگری می بینی می رمی و می رنجی۔ (رومی، ۳۶)

یعنی تمام برے اخلاق ظلم، کینہ، حسد، حرص، بے رحمی، تکبر جو تمہارے اندر ہیں ان سے تم کو تکلیف بالکل نہیں ہوتی، لیکن جب ان کو تم دوسروں میں دیکھتے ہو تو تمہیں تکلیف ہوتی ہے اور ان کو تم ناپسند کرتے ہو۔ یعنی اس طرح انسان خود اپنی ذات سے بھاگتا ہے اور خود ہی رنجیدہ ہوتا ہے، یعنی انسان ہی کے عیوب ہیں جن کو وہ دوسروں میں دیکھ کر نالاں ہوتا ہے۔ نیز رومی کہتے ہیں کہ فریبِ نفس کے ہزاروں جال ہیں۔ انسان ہی لالچی ہے کہ دنیاوی

مفاد کی غرض سے ان ناجائز پھندوں کو قبول کر لیتا ہے۔ رومی نے ان پھندوں سے بچاؤ کی صورت بھی بیان ہے کہ خدا تعالیٰ کی یاد سے انسان نفس کی تمام فریب کاریوں اور حیلوں سے خود کو بچا سکتا ہے۔ لکھتے ہیں:

صد ھزاران دام و دانہ ست ای خدا　　　ما چو مرغانِ حریصِ بی نوا

می رھانی ھر دمی مارا و باز　　　سوی دامی می رویم ای بی نیاز

گر ھزاران دام باشد در قدم　　　چون تو باماپی، نباشد ھیچ غم

چون عنایاتت بود با ما مقیم　　　کی بود بیمی از آن دزدِ لئیم ؟(رومی، ۱۲۷)

اے خدا، لاکھوں جال اور دانے ہیں اور ہم لالچی بھوکے پرندوں کی طرح ہیں۔ تو ہمیں ہر وقت چھڑاتا ہے اور پھر ہم کسی جال کی طرف چل دیتے ہیں، اے بے نیاز!۔ اگر ہر قدم پر ہزاروں جال ہوں جب تو ہمارے ساتھ ہے تو کوئی غم نہیں۔ جب تیری عنایتیں ہمارے ساتھ ہو جائیں گی تو اس کمینہ چور کا ڈر کب ہو سکتا ہے۔

مولانا کے مکتوب میں ہے:

در این عالمِ پُر تشویش و در این دریای بی فریاد، خود را بہ ھر موج ھوی و ھوس نسپر دی، دست در کشتیِ نوح زدی و محکم گرفتی۔ (رومی، ۲۲۲)

یعنی اس عالمِ پُر تشویش میں اور اس ناختم ہونے والے سمندر میں خود کو خواہشات اور ہوس کی لہروں کے سپرد نہ کرو، نوح کی کشتی میں ہاتھ رکھو اور اسے مضبوطی سے تھام لو۔ معلوم ہوا جس طرح ارواح کو ایک وقتِ خاص میں قیدِ جسم سے آزادی بخش کر بارِ تکالیف سے سبکدوش کر دیا جاتا ہے اسی طرح نفس کو بھی اگر باطنی خطرات کے پھندے سے آزادی دلائی جائے تو کیا بات ہے۔ اسی لیے رومی نے نفس کی فریب کاریوں سے تہذیب کے لیے یہ اصول بیان کیا ہے کہ انسان دامنِ شریعت مضبوطی سے تھام لے اور نفس کے حیلوں اور بہانوں سے خود کو بچا لے۔

تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن:

بعثتِ انبیاء علیہم السلام کا اصلی مقصد کفر و شرک اور ظلم کو مٹانا اور تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کرنا تھا۔ تاکہ انسان گناہوں سے باز آجائیں اور راہِ ہدایت پر قائم رہیں جس سے ان کا نفس مہذب رہے۔ تہذیبِ نفس کے سلسلہ میں تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن ریڑھ کی ہڈی کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ کیوں کہ اس سے نفس کو برائیوں میں مبتلا کرنے سے روکا جاتا ہے، آخرت کی فکر کی تیاری کی جاتی ہے تاکہ انسان اللہ کی بارگاہ میں رسوا نہ ہو اور جنت کو پالے۔ اس حوالہ سے رومی نے تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کی اہمیت اور طریقہ بتایا ہے۔ لکھتے ہیں:

ایک جماعتی دیگر کہ عقل آن جھانی داشتند و بوی اخلاص بہ مشام ایشان رسیدہ بود، قدم بر ھوای نقد نھادند و نفس شوم را قھر کردند طمع آن را، تا نفس ایشان بہ ھوای ابد رسد و فردوس اعلی، مطلب ایشان گردد و این بشارت از قرآن کریم بہ سمعِ جمع رسیدہ بود: وفیھا ماتشتھیہ الانفس۔ این گروہ از ھوای نفس گذشتند۔ (رومی، ۱۰۶)

یعنی کچھ ایسے لوگ ہیں جن کے پاس دنیاوی حکمت ہے اور اخلاص کی خوشبو ان کے مشام جان تک اتری ہے، انہوں نے خواہشات پر تنقید کا قدم رکھا ہے، اور برے نفس اور حرص کو روکا، تاکہ ان کا نفس آخرت کی خواہش اور فردوسِ اعلی کو پہنچے یہی اس بات کا مطلب ہے جو قرآن کریم سے مجمع تک

پہنچی ہے کہ: فیھا ماتشتھیہ الانفس۔ یہ گروہ نفس کی خواہشات سے گزرا ہوا ہے۔ رومی کہتے ہیں کہ انسان اپنے نفس کا تزکیہ و تصفیہ عمل اور ریاضتوں کی بدولت ہی کر سکتا ہے۔ مثنوی میں کہتے ہیں:

مردمِ نفس از درونم در کمین		از ھمہ مردم بتر در مکر و کین (رومی، ۱۹۴)

کی شود باریک ھستیِّ جَمَل		جز بہ مقراضِ ریاضات و عمل؟ (رومی، ۳۹۶)

تختِ دل معمور شد پاک از ھوا		بین کہ الرحمٰن علی العرشِ استویٰ (رومی، ۴۴۵)

میرے اندر سے نفس ہر وقت گھات میں ہے۔ مکر اور کینہ میں سب انسانوں سے بد تر ہے۔ اونٹ کا وجود باریک نہیں ہو سکتا ہے عمل اور ریاضتوں کی قینچی کے بغیر۔ جب دل کا تخت خواہشات سے پاک ہو کر (نور سے) بھر گیا تو الرحمٰن علی العرش استویٰ کا مصداق ہو گیا۔ مولانا نے تزکیہ و تصفیہ کے حوالہ سے مختلف طریقے بیان کیے ہیں۔ لکھتے ہیں:

نفس نمرودست و عقل و جان خلیل		روح در عینست و نَفس اندر دلیل

این دلیلِ راہ رَہ رَو را بود		کو بہ ھر دم در بیابان گم شود

واصلان رانیست جز چشم و چراغ		از دلیل و راھشان باشد فراغ (رومی، ۷۹۵)

نفس نمرود ہے اور عقل و جان خلیل ہے۔ روح (مشاہدہ) ذات میں ہے اور نفس دلیل میں ہے۔ مسافر کو رہبر کی ضرورت ہوتی ہے کیوں کہ وہ ہر وقت جنگل میں گم ہو سکتا ہے۔ (اللہ تک) پہنچ جانے والوں کے لیے صرف آنکھ اور چراغ کی ضرورت ہے۔ راہنما سے اُن کو بے نیازی ہوتی ہے۔

اکنون مریدی کہ پرورش از مرد حق یابد روح اوراپاک و پاکی باشد و کسی کہ از مزوّری و سالوسی پرورده شود و علم از او آموزد ھمچون آن شخص حقیر و ضعیف و عاجز و غمگین و بیرون شو از تردّدھا و حواس او کوتہ بود۔ (رومی، ۴۵)

یعنی جب کوئی شخص کسی مرد حق اور ولی کامل سے تربیت پاتا ہے اور اس سے تعلیم حاصل کرتا ہے تو اس کی روح بالیدگی حاصل کرتی ہے اور طاہر و مطہر ہو جاتی ہے۔ اس کے بر خلاف جب کوئی شخص کسی فریب کار اور ریاکار کے پھندے میں پھنس جاتا ہے اور اس سے تعلیم حاصل کرتا ہے تو وہی باتیں اخذ کرتا ہے جو مربی کے اندر ہوتی ہیں اور اس کی روح میں بالیدگی کی بجائے افسردگی آجاتی ہے۔ اس کی کیفیت وہی ہو جاتی ہے جو کمزور اور عاجز و غمگین شخص کی ہوئی کہ وہ افسردہ ضعیف اور کمزور رہ گیا۔ معلوم ہوا کہ روح مشاہدہ میں مستغرق ہے اور نفس دلائل کے چکر میں پڑا ہے گویا روح کو دلیل یعنی رہنما کی ضرورت نہیں۔ اب اس کی وجہ رومی بیان کرتے ہیں کہ روح تو واصل ہے اور راہ نما کی ضرورت اس کو ہوتی ہے جو ابھی راستے میں سرگردان ہو، واصل کو کیا ضرورت؟ روح کی بالیدگی کے لیے رومی نے صحبت صالحین کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور نفس کو نمرودی کہا ہے کیوں کہ اس میں تکبر سرایت کیے ہوتا ہے۔ رومی مزید تعلیم دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ نفس اپنی اصل میں کوّے کی خاصیّت رکھتا ہے جس کا کام صرف غلاظت کھانا ہوتا ہے۔ انسان اس کا تزکیہ اور تصفیہ اسی صورت میں کر سکتا ہے کہ اس کی خواہشات کے آگے سدِّ ذوالقرنینی قائم کرے اور مرنے سے پہلے مر جائے یعنی اس کی خواہشات کی تکمیل نہ کرے بلکہ طاعات کو بجالائے۔ رومی اس حوالہ سے لکھتے ہیں:

عقلِ مازاغست نورِ خاصگان		عقلِ زاغ اُستادِ گورِ مُردگان

ھین مَدو اندر پیِ نفسِ چو زاغ		کو بہ گورستان بَرَد، نہ سوی باغ

گر رَوی، رو در پیِ عنقایِ دل   سویِ قاف و مسجدِ اقصایِ دل (رومی، ۵۸۶)

اے خُنک آن را کہ پیش از مرگ مُرد   یعنی او از اصلِ این رز بوی بُرد (رومی، ۵۸۸)

چون مراقب باشی و گیری رَسَن   حاجتت ناید قیامت آمدن (رومی، ۶۹۳)

مازاغ "(نہ بھٹکنے) والی عقل خاصان (خدا) کا نور ہے۔ کوّے کی عقل مُردوں کی قبر کی استاد ہے۔ خبر دار! کوّے جیسے نفس کے پیچھے نہ لگ جو قبرستان کی طرف لے جاتا ہے نہ کہ باغ کی جانب۔ اگر لگنا ہے تو دل کے عنقا کے پیچھے لگ۔ دل کی مسجد اقصیٰ اور (کوہِ) قاف کی جانب (جا)۔ وہ شخص قابلِ مبارکباد ہے جو مرنے سے پہلے مر گیا۔ یعنی اس کو اس انگورستان کی اصل کا پتا چل گیا۔ جب تو نگران ہو گا اور رسی کو پکڑ لے گا تجھے قیامت کے آنے کی ضرورت نہ رہے گی۔

اشرف تھانوی اور نذیر عرشی لکھتے ہیں: کہ کوّے جیسے نفس کے پیچھے مت جاؤ کہ وہ تم کو گورستان میں لے جاوے گا۔ نہ کہ باغ میں مطلب یہ کہ جو روح کہ نفس کی تابع ہو جائے وہ حقیقت شناس ہو ہی نہیں سکتی۔ (تھانوی، ۳۳۲) نفس جو منبعِ مفاسد و شرور ہے اس کے پیچھے نہ جاؤ بلکہ قلب جو مہبطِ انوار و برکات ہے اس کی پیروی کرو۔ (عرشی، ۲۰۹) یہاں نفسِ عارفہ کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ اس کے لیے رومی مراقبۂ نفس کی ترغیب دے رہیں کہ انسان خود اپنا نگران بن جائے تو اس کا تزکیہ و تصفیہ کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ جب انسان صالح اعمال کی زندگی بسر کرے گا تو نفس کی امارگی جاتی رہے گی اور وہ نفسِ مطمئنہ کی اہلیت رکھنے لگے گا اور نفسِ مطمئنہ کا چہرہ فکروں کے ناخن سے زخمی ہو جاتا ہے خصوصاً بُرے افکار تو زہریلے ناخن ہیں جو روح تک کے چہرے کو بد نما بنا دیتے ہیں۔ نفس کی حقیقت کا علم خدا کی معرفت تک پہنچاتا ہے۔ لہٰذا انسان کو عرفانِ ذات پر توجہ دینی چاہیے تاکہ آخرت سنورے۔ رومی مزید کہتے ہیں:

جھد کن تا چو مرگ بشتابد   بوی جانت بہ کوی او یابد (رومی، ۲۱۶)

یعنی مرنے تک مجاہدۂ نفس جاری رکھو یہاں تک کہ تیری زندگی کی خوشبو اس کی گلی کو پالے۔ یعنی مجاہدۂ نفس کے ذریعے انسان مناہی کے تخریبی جنگل سے نکل کر شریعت کے تحسینی چمن زار کا سیاح ہو جاتا ہے اور شرع پر عمل پیرا ہو جاتا ہے۔ رومی نے مجاہدۂ نفس کا طریقہ بھی بیان کیا ہے۔ فیہ مافیہ میں کہتے ہیں:

اگر ریاضت است طریقش چنین گفتہ اند کہ اگر منی نان می خورد هر روز در مسنگی کم کند بہ تدریج چنانک سالی و دو بر نگذرد تا آن نان را بہ نیم من رسانیده باشد چنان کم کند کہ تن را کمی آن نماید و همچنین عبادت و خلوت و روی آوردن بہ طاعت و نماز اگر بہ کلّی نماز می کرد چون در راه حق در آید اوّل مدّتی پنج نماز را نگاه دارد بعد از آن زیادت می کند الی مالا نهایہ۔ (رومی، ۱۰۱)

یعنی ریاضتِ نفس بتدریج ہونی چاہیے۔ چناں چہ ریاضتِ نفس کا یہ طریقہ مقرر کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص روزانہ ایک من (من عجمی 1/2 سیر) روٹی کھاتا ہے۔ تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنی خوراک کو روزانہ ایک درم کم کرے اور پھر اسی طرح بتدریج کم کرتا چلا جائے۔ اس طرح دو سال تک عمل کرے اس کی خوراک اس طرح ایک من سے گھٹ کر نیم من رہ جائے گی اور جسم کو وہ کمی محسوس نہیں ہو گی اسی طرح تدریجی عمل کو طاعت و خلوت میں بھی اختیار کرنا چاہیے اگر کوئی شخص تارکِ صلوۃ تھا تو اس کو چاہیے کہ اوّلا نماز پنجگانہ کا خود کو عادی بنائے پھر جب وہ اس کا عادی ہو جائے تو نوافل کی طرف

توجہ کرے اس طرح وہ اپنی نماز میں مداومت پیدا کرلے گا۔ رومی نے نفسِ مطمئنہ کی تخریب کا سبب بُرے خیالات بتائے ہیں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں:

روی نَفسِ مُطمئنّہ در جَسَد　　زخمِ ناخنھای فکرت می کَشَد

فکرتِ بد ناخنِ پُر زھر دان　　می خَراشد در تعمُّق روی جان

چون بدانی حدِّ خود، زین حد گریز　　تا بہ بی حَد در رسی ای خاک بیز (رومی، ۸۹)

در فسونِ نَفس کم شو غرّہ ای　　کافتابِ حق نبوشد ذرّہ ای (رومی، ۵۱۸)

جسم میں نفسِ مطمئنہ کا چہرہ فکر کے ناخنوں سے زخمی ہو جاتا ہے۔ بُرے خیال کو زہریلا ناخن سمجھ۔ غور کرنے کی (صورت) میں وہ جان کا چہرہ زخمی کر دیتا ہے۔ جب تجھے اپنی حقیقت معلوم ہو گئی اس تعریف سے گریز کر۔ اے خاک چھاننے والے! تاکہ تو اُس ذات تک پہنچ جائے جس کی حقیقت نامعلوم ہے۔ نفس کے مکر سے دھوکے میں نہ پڑ کیوں کہ حق کا سورج ذرے کو نہیں چھپاتا۔

نذیر عرشی ان اشعار کی تشریح میں لکھتے ہیں:

شاید کسی معصیت کے وقوع پر نفس بہکانے لگے کہ اس سے توبہ کرنے کی کیا ضرورت ہے یہ ایک معمولی فعل ہے۔ اسے کون پوچھتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ یہ نفس کا فریب ہے حق تعالیٰ ادنیٰ سے ادنیٰ فعل کو بھی بلا حساب نہیں چھوڑے گا۔ خواہ آخر میں معاف ہی کر دے مگر سب چھوٹے بڑے اعمال کا حساب ضرور ہو گا۔ (عرشی، ۱۰۱)

حق کے سورج سے مراد توبہ کا سورج ہے۔ لہٰذا جب نفس بہکائے فوراً رجوع الی اللہ کرنا چاہیے۔ رومی نے اس حوالہ سے عقل سے مدد لینے کی تلقین کی ہے تاکہ انسان نفس کا تزکیہ وتصفیہ کر سکے۔ واگر با نفس خود بر نمی آیی از روی عقل باخویش۔ (رومی، ۹۵) یعنی اور اگر تم اپنے نفس کی گرفت سے باہر نہ آسکو تو اپنی عقل ہی سے مدد لو۔ انسان نفس کے بہکاوں، چالوں اور حیلوں سے محفوظ ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بن جائے اور تہذیبِ نفس کے لیے تزکیہ وتصفیہ کو تدریجاً اختیار کرے تو نفس کی تہذیب کا عمل جاری رہتا ہے۔

توبہ اور تہذیبِ نفس:

توبہ کا اصل تعلق دل کے ساتھ ہے۔ جس کو یہ معرفت حاصل ہو جائے کہ دل کی کیا حقیقت ہے اس کا جسم سے کیا تعلق ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی کیا نسبت ہے تو ایسا دل اللہ تعالیٰ کی طرف مائل ہوتا ہے۔ دل ہی توبہ کے ذریعے عبد اور معبود کے درمیان حجاب کو دور کرتا ہے۔ توبہ کے نور سے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں اور انسان کی روحانی طبع میں سرور وانبساط لوٹ آتا ہے۔ اگر کوئی توبہ پر قائم رہے اور نفس کی خواہشات پر دوبارہ عمل پیرا نہ ہو تو اس پر فضلِ الٰہی کے انوار برستے ہیں۔ رومی کہتے ہیں: تم نے اپنے اصل مقصد کو بھلا دیا اب تم کو چاہیے کہ منتہائے مقصود کو فراموش نہ کرو اور اپنے نفس کے ساتھ کسی توقع کو وابستہ نہ کرو اور اس کو نامراد ہی رکھو تاکہ تم مراد کو پہنچ جاؤ اور اس زندان تاریک سے نجات حاصل کر سکو۔ جس نے اپنے نفس کو ہوا وہوس سے باز رکھا اس کا ٹھکانہ جنت میں ہو گا۔ (رومی، ۷۱) معلوم ہوا کہ نفس کی توقعات کو کھوٹا کرنے اور اس کو نامراد کرنے سے ہی انسان مراد کو پا سکتا ہے اس کے لیے رومی کہتے ہیں کہ نیند بھی اور کھانا بھی کم لو اور وقتِ صبح توبہ کرو۔ چناں چہ لکھتے ہیں:

اندکی صرفہ بکن از خواب وخَور　　ارمغان بھرِ ملاقاتش بُبَر

شو قلیلُ النَّومِ مِمَّا یَھجَعُون　　　باش در اَسحار از یَستَغفِرُون (رومی، ۴۰۰)

سونے اور کھانے میں تھوڑی سی کمی کر۔ اس ملاقات کے لیے سوغات لے جا۔ سونے میں کم نیند والا بن جا۔ صبح کے وقت توبہ کرنے والوں میں سے ہو جا۔

رومی بیان کرتے ہیں کہ سست آدمی کی طبیعت کی تندرستی کون نہیں چاہتا۔ یقیناً سب چاہتے ہیں لہذا ہر شخص کو دوسروں کے لیے اور اپنے لیے نیک جذبات رکھنے چاہیے اور توبہ کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے چناں چہ رقمطراز ہیں کہ:

کسی کو را بود در طبع سستی　　　نخواهد هیچکس را تندرستی (رومی، ۸۵)

جس کسی شخص کی طبیعت میں سستی ہو اس کی کون سا شخص تندرستی نہیں چاہے گا۔ مزید کہتے ہیں:

چو آدم توبہ کن از خوشہ چینی　　　چو کشتی بذر، آنِ توست خرمن (رومی، ۶۵۷)

جیسے آدم نے توبہ کی خوشہ چینی سے ویسے ہی جہاں آپ بیج بوتے ہیں کاٹنے والے بھی آپ ہیں۔

فیہ مافیہ میں مولانا توبہ کی اہمیت بیان کر رہے ہیں کہ یہ کیسے گناہوں کو مٹاتی ہے۔ لکھتے ہیں: جب توبہ و انابت کا آفتاب عالمتاب طلوع ہو گا تو اس عالم آخرت کی بشارتوں اور خشیت الٰہی سے معاصی اس طرح ختم ہو جائیں گے جس طرح آفتاب کی گرمی سے برف پگھل جاتی ہے اگر برف کا تودہ یہ کہے کہ میں نے آفتاب کی تمازت اور حرارت کا سامنا کیا ہے اور میری حیثیت باقی ہے تو اس کی اس بات کو کوئی قبول نہیں کرے گا۔ اور ہر شخص یہی کہے گا کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ماہ نموز کا آفتاب چمکے اور اس کی گرمی سے برف نہ پگھلے۔ (رومی، ۵۷) رومی کہتے ہیں کہ توبہ کا دروازہ تا قیامت کھلا ہوا ہے۔ جنت کے آٹھ دروازوں میں سے ایک درِ توبہ ہے اور یہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ چناں چہ لکھتے ہیں:

هین مکن زین پس فرا گیر احتراز　　　کہ ز بخشایش دَرِ توبہ ست باز

توبہ را از جانبِ مغرب دَری　　　باز باشد تا قیامت بر وَری

تاز مغرب بر زند سَر آفتاب　　　باز باشد آن در، از وی رُو متاب

هست جنّت راز رحمت هشت دَر　　　یک درِ توبہ ست زان هشت ای پسر

آن همہ گہ باز باشد گہ فراز　　　و آن درِ توبہ نباشد جز کہ باز

هین غنیمت دار، دَر باز ست زود　　　رَخت آنجا کَش بہ کوریِّ حسود (رومی، ۶۹۵)

خبردار! اس کے بعد نہ کر، بچاؤ اختیار کر کیوں کہ بخشش سے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ مغرب کی جانب سے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے مخلوق پر قیامت تک۔ جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع کرے وہ دروازہ کھلا ہوا ہے اس سے روگردانی نہ کر۔ (خدا کی) رحمت سے جنت کے آٹھ دروازے ہیں ان آٹھ میں سے اے بیٹا! ایک توبہ کا دروازہ ہے۔ وہ سب کبھی کھلتے ہیں، کبھی بند ہوتے ہیں اور توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ خبردار! غنیمت سمجھ دروازہ کھلا ہوا ہے، جلد سامان وہاں لے جا، حاسد کی آنکھ میں دھول جھونک کر۔

ان اشعار کی تشریح میں اشرف تھانوی رقمطراز ہیں کہ: درِ توبہ ہمیشہ کھلا ہوا ہوتا ہے پس چوں کہ یہ دروازہ کھلا ہوا ہے اس کو غنیمت جان اور اس کے ذریعے سے جنت میں پہنچ جا۔ گو حاسدوں یعنی نفس و شیطان کو ناپسند ہو اور یہ کام اس کے بند ہونے سے پہلے ہی ہو جانا چاہیے کیوں کہ اس کے بعد تیری

آہ وزاری کوئی نہ سنے گا اور وہ دروازہ نہ کھل سکے گا۔(تھانوی،۶۰۳) جنتِ عدن کے دروازے کا نام باب التوبہ ہے۔(عرشی،،۴۰۱) معلوم ہوا کہ موت سے پہلے پہلے تک یہ دروازہ کھلا ہوا ہے۔ گناہ نہ بھی کیے ہوں تو اگر کوئی تائب ہو تو اس کی روحانیت میں مزید نکھار آتا ہے۔اور اگر گناہ کیے ہوں تو بھی توبہ گناہوں سے پاک کر دیتی ہے۔

رومی مجالس میں ایک حدیث کا حوالہ دے کر نقل کرتے ہیں کہ:

بندے کی توبہ سے خدا کی خوشی کا معنیٰ یہ ہے کہ جیسے بندہ توبہ کرنے کے ساتھ خوش ہوتا ہے اور توبہ کو پسند کرتا ہے، اسی طرح وہ توبہ کرنے والا شخص خدا کے قریب ترین ہوتا ہے اور اس کو محبوب ہوتا ہے فرمایا: ایک بندہ تھا اس سے گناہ ہوا اور وہ گناہ اسے جنت میں لے گیا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے توبۂ نصوح کی اور حق تعالیٰ نے اس کے گناہوں کو طاعت میں تبدیل کر دیا، جیسے خدا نے لوہے کو حضرت داؤد کے لیے نرم کر دیا اور مٹی کو عیسیٰ کے لیے پرندہ بنایا اور حیض کے خون کو رحمِ مادر میں بچوں کی غذا بنایا، ایک دن وہ اسی طرح گناہوں کو بھی طاعت میں تبدیل فرما دے گا۔(رومی،۹۴)

معلوم ہوا کہ توبہ سے بندے کے گناہ نیکیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور بندے کو طاعات کی بھی توفیق مل جاتی ہے۔ رومی آیتِ قرآنی کا حوالہ دیتے ہوئے مرادِ الٰہی کی وضاحت کر رہے ہیں کہ: یعنی اب تم ہماری تسبیح و تقدیس کرو اور ہم سے مغفرت طلب کرو۔ اور اس خیال کو دل سے نکال دو کہ یہ سارے کام تمہارے ہاتھ پیر ہلانے کا نتیجہ تھے اور اس میں ہماری قدرت کا دخل نہ تھا۔ اب جب کہ تمہیں اس کا احساس ہو گیا کہ یہ ہماری توفیق کا نتیجہ تھے تو ہم سے مغفرت طلب کرو کہ ہماری شان انہ کان توابا ہے۔ بے شک خداوند تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے۔(رومی،۸۸) معلوم ہوا کہ اس سے مغفرت طلب کرنا عین اس کی منشا کے مطابق ہے اور وہ توبہ قبول بھی کرتا ہے۔

فکرِ موت اور تہذیبِ نفس:

موت کی کشمکش ایسی ہے کہ جس سے ہر ذی روح کو گزرنا پڑتا ہے۔ اگر انسان کو موت یاد ہو تو وہ گناہوں سے اعراض کرتا ہے اور نیکیوں کی طرف آمادہ ہو جاتا ہے۔ رومی کہتے ہیں: زاھد آن است کہ آخر بیند واھل دنیا آخُر بینند۔(رومی،۳۴) یعنی زاہد وہ ہے جس کی نظر آخرت پر ہو اور دنیا والے آخر یعنی اصطبل کی طرف دیکھنے والے ہیں۔ معلوم ہوا کہ انسان کو عموماً ہزاروں کام یاد رہتے ہیں جنھیں وہ انجام دیتا رہتا ہے تاہم وہ موت کو بھلا دیتا ہے جس کے سبب سے نفس کی سرکشیوں پر بھی عمل پیرا ہونا ممکن ہو جاتا ہے اور طاعات سے بھی اعراض برتا جانا ممکن ہوتا ہے۔ جب بندے کو فکرِ موت لاحق ہو تو اس صورت میں وہ نیکیاں کرنے کی زیادہ کوشش کرتا ہے اور معصیت سے پہلو تہی کرتا ہے۔ رومی ایک حدیث شریف کو بطورِ استشہاد لاتے ہوئے کہتے ہیں کہ انسان کا مقصود ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا ہے۔ لہٰذا مرتے ہوئے انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اگر وہ برا تھا تو جلدی مر جاتا تا کہ گناہ زیادہ ہوتے اور اگر نیک تھا تو جلدی جنت میں چلا جاتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تہذیبِ نفس کے لیے فکرِ موت کس قدر اہم ہے۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

زین بفرمود ست آن آگہ رسول　　کہ ھر آنکہ مُرد و کرد از تن نُزول
نَبود او را حسرتِ نُقلان و موت　　لیک باشد حسرتِ تقصیر و فوت
ھر کہ میرد خود تمنّی باشدش　　کہ بُدی زین پیش نَقلِ مقصدش
گر بود بد تا بدی کمتر بُدی　　ور تقی تا خانہ زوتر آمدی(رومی،۹۱)

اس لیے باخبر رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص مرا اور جسم سے جدا ہوا، اُس کو منتقل ہونے اور مرنے پر افسوس نہ ہو گا لیکن کوتاہی اور فوت ہونے کی حسرت ہو گی۔ جو شخص مرتا ہے خود اُس کو تمنا ہوتی ہے کہ اُس کا مقصود کی طرف منتقل ہو جانا اس سے پہلے ہو جاتا۔ اگر وہ بد تھا تو اس لیے کہ بدی کم ہوتی اور متقی تھا تو گھر جلدی آجاتا۔

رومی آیتِ قرآنی کو دلیل بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ انسان کو ہر حال میں یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ اس کے ساتھ ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وھو معکم ازو خبر می آید   در سینہ ازین خبر شر می آید

ز آنی ناخوش کہ خویش نشناختہ ای   چون بشناسی دگر چہ در می آید؟(رومی،۱۳۴۵)

وہ تمہارے ساتھ ہے اسی (اللہ تعالیٰ) سے خبر آئی ہے۔ میرے سینے میں اسی خبر سے شعلہ آیا ہے۔ یہ بدقسمتی کی بات ہے کہ تو خود کو نہیں جانتا کیوں کہ تو جانتا ہے کہ اور کیا ہو گا؟

اشرف تھانوی رقمطراز ہیں کہ: جو شخص اِس جہان کو آبِ حیات کی طرح مرغوب سمجھ لے گا اور اِسی کی زندگی کو زندگی مانے گا جیسا کہ ابلیس نے کیا وہ اوروں سے پہلے مرے گا کیوں کہ وہ حالتِ حیاتِ جسمانی میں بموت روحانی مر جائے گا۔ پس تم کو حیاتِ دنیوی کو مطمحِ نظر نہ بنانا چاہیے کیوں کہ یہ کوئی قابلِ قدر نہیں ہے بلکہ عالمِ غیب کو مطمحِ نظر بنانا چاہیے۔ (تھانوی،۱۲۷) اس ضمن میں رومی مزید کہتے ہیں:

عمر و مرگ این ھر دو با حق خوش بُوَد   بی خدا آبِ حیات آتش بود

ھر کہ سازد زین جھان آبِ حیات   زو ترَش از دیگران آید مَمات (رومی،۱۱۳)

زندگی اور موت یہ دونوں خدا کے ساتھ اچھی ہیں۔ بغیر خدا کے آبِ حیات آگ ہے۔ جو اس دنیا کو آبِ حیات بناتا ہے اُس کو دوسروں سے پہلے موت آ جاتی ہے۔

عمر مجاہدات و ریاضات اور طاعات و عبادات کے لیے ہے۔ اور موت بارگاہِ رب العزت میں حیاتِ جاودانی پانے کے لیے۔ (عرشی،۱۵۱) معلوم ہوا کہ جو دنیا میں دائمی زندگی کی آرزو کرتا ہے۔ اور اس حالت سے دوسری اعلیٰ حالت میں منتقل ہونے کی خواہش نہیں کرتا تو اس کی یہ آرزو اور بھی جلدی مر جانے کا باعث ہوتی ہے۔ اور وہ قبل از وقت مردہ ہو جاتا ہے۔ فکرِ موت ہی انسان کو انسانیت یاد دلاتی ہے۔ اس طرح اس کے نفس کی تہذیب کا باعث بنتی ہے اور انسان راہِ ہدایت کی طرف گامزن ہو جاتا ہے۔

وصول الی اللہ کا طریقہ:

رومی نے لکھا ہے کہ شریعت کا اتباع تو ہر حال میں لازم ہے۔ جو لوگ اللہ سے ملنا چاہتے ہیں وہ سب سے پہلے صوم و صلوٰۃ کی پابندی کریں۔ اس کے بعد اوقاتِ مقررہ پر ذکر جاری کریں اور فکر کا دروازہ کھٹکھٹائیں۔ فکر میں ہر بات کی کنہ پر تفکر کیا جا سکتا ہے اور اس میں ہر معاملے میں تحقیق کے مرتبے پر پہنچنا ہوتا ہے۔ مولانا کہتے ہیں کہ اگر فکر جامد ہو جائے تو ذکر کرنا چاہیے۔ ذکر کرتے رہنے سے جامد شدہ فکر کھل جائے گی کیوں کہ ذکر اور ریاضت کرتے رہنے سے فکر حرکت میں آجاتی ہے۔ اس افسردہ جمود کے لیے ذکر سورج کی طرح ہے قلبِ انسانی کو حرارت پہنچاتا ہے۔ چناں چہ جب فکر کھل جائے تو مومن کی خدا تک پہنچنے کی راہ کھل جاتی ہے۔ چناں چہ مولانا رقمطراز ہیں کہ:

این قدَر گفتیم، باقی فکر کن   فکر اگر جامد بود، رو ذکر کن

ذکر آرد فکر را در اِہتزاز ذکر را خورشیدِ این افسردہ ساز (رومی، ۶۲۱)

فِکر آن باشد کہ بگشاید رھی راہ آن باشد کہ پیش آید شھی (رومی، ۷۹۱)

ہم نے اس قدر کہہ دیا اور باقی تو سوچ۔ فکر اگر افسردہ ہو، جا ذکر کر۔ ذکر، فکر کو حرکت میں لے آتا ہے۔ ذکر کو اس افسردہ جمود کا سورج خیال کرو۔ فکر تو وہ ہوتی ہے جس سے راستہ کھلے۔ راستہ وہ (مفید) ہے جو شاہِ حقیقی سے ملا دے۔

فکر وہ ہوتا ہے جس سے کہ ایک راستہ کھل جائے اور راستہ وہ ہے کہ اس کے آگے بادشاہ ملے۔ مطلب یہ کہ اصل فکر تو وہ ہے کہ جس سے راہِ حق روشن ہو جائے اور راستہ مل جائے کہ جس پر چلنے سے حق تعالیٰ مل جائے اور وہ راستہ ہے جس کو قرآن شریف میں صراطِ مستقیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اصل تو وہی فکر اور وہی طلب ہے کہ جس سے وصول الی اللہ حاصل ہو اور جب یہ نہیں تو وہ کچھ بھی نہیں جیسے کہ کسبِ دنیا وغیرہ کہ بالکل فضول ہے اس لیے کہ اس سے دین کا کوئی فائدہ ہی نہیں اور معتبر وہی ہے کہ جس میں دین کا فائدہ ہو۔ (تھانوی، ۳۷۰) یعنی انسان کو چاہیے کہ وہ دوسرے انسان کے معائب و محاسن سے صرفِ نظر کرے اور ان پر توجہ نہ دے۔ اس کو صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کی ذات میں کیا خصوصیات اور کیا جوہر موجود ہیں۔ ان خصوصیات کا معلوم کرنا اور جاننا ہی اصل چیز ہے۔ (رومی، ۵۰) معلوم ہوا کہ انسان اپنے آپ کو پہچان لے تو یہ کنکر سے گوہر بننے کے مترادف ہے اور یہ واصل بحق ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے اسے افکار کی پاکیزگی اور ذکر و اذکار بھی جاری رکھنا ہوں گے۔ تاکہ فکر جمود کا شکار نہ ہو اور وصول الیٰ اللہ حاصل ہو جس سے نفس مہذب بن جاتا ہے۔

بحث و تجزیہ:

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نفس دوزخ کا سرچشمہ ہے۔ اس کی تہذیب کے لیے ایسی عقل جس پر انوارِ الٰہی کی باران ہو ضروری ہے اس کے ساتھ ساتھ عمل کی بھی ضرورت ہے۔ رومی نے اس حوالہ سے قوتِ ممیزہ کا ذکر کیا ہے جو انسان میں پاکیزہ لطیفۂ باطنی ہے۔ یہ وہی جوہر ہے جس کی مدد سے بے تمیز جسم کی پرورش، نفسانی خواہشات و شہوات اور لذات کو روکا جا سکتا ہے۔ انسان کو نفس کے جو متعلقات لاحق ہوتے ہیں ان کی تہذیب بھی رومی نے ذکر کی ہے اور ساتھ ساتھ تہذیبِ نفس کے اصول بھی ذکر کیے ہیں گویا کہ دوا بھی دی ہے اور پرہیز بھی بتایا ہے۔

انہوں نے شہوت کا ذکر کیا ہے کہ یہ نفس کی دُم ہے اسی وجہ سے انسان خود پرست بنتا ہے۔ اس کی تہذیب کا طریقہ یہ ہے کہ اسے آخرت میں تبدیل کر دیا جائے اور نفس کو عذابِ دوزخ سے ڈرایا جائے تاکہ یہ مطیع بن جائے۔ اس حوالہ سے انہوں نے بیان کیا ہے کہ شہوت کو نورِ خدا کے ذریعے ٹھنڈا کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح انہوں نے نفس کے فریب کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جیسے انسان دوسروں کے اخلاقی عیوب دیکھ کر انہیں ناپسند کرتا ہے ایسے ہی اسے اپنے اندر تمام برے اخلاق جن میں ظلم، کینہ، حسد، حرص، بے رحمی اور تکبر وغیرہ کو بھی ناپسند کرنا چاہیے اور نفس کے دامِ فریب میں آنے کی بجائے شریعت کا دامن تھامنا چاہیے۔

رومی نے تزکیۂ نفس اور تصفیہ باطن کے حوالہ سے بھی راہ نمائی کی ہے۔ کہتے ہیں کہ نفس انسان میں ہر وقت گھات لگائے بیٹھا ہے اور مکر اور کینہ میں سب انسانوں سے بدتر ہے۔ اس کو عمل اور ریاضتوں کے ذریعے ہی زیر کیا جا سکتا ہے۔ اس کے تزکیہ اور باطن کے تصفیہ کے لیے ضروری ہے کہ انسان کے رگ و پے میں اخلاص سما جائے اور وہ خواہشات پر تنقید کرے۔ نفس کو برائی اور حرص میں مبتلا نہ ہونے دے۔ اس کے لیے انہوں نے طریقہ کار بھی وضع کیا ہے۔ کہتے ہیں چوں کہ نفس نمرود ہے جب کہ عقل خلیل ہے۔ روح مشاہدۂ ذات میں مستغرق ہونے کی متمنی ہے جب کہ نفس دلیل میں

ہے۔ انسان کو راہبر کی ضرورت ہے جو اس کے نفس کی تہذیب کر سکے۔ راہبر مردِ حق اور ولی کامل ہوتا ہے جو تربیت کرتا ہے اور اس کی تعلیم سے روح کو بالیدگی حاصل ہوتی ہے اور روح رزائلِ نفس سے طاہر و مطہر ہو جاتی ہے۔ لہذا انسان کو چاہیے کہ بندگانِ خدا کی صحبت حاصل کرے۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ نفس کوّے جیسا ہے جو صرف غلاظت کھانا پسند کرتا ہے۔ انسان جب خود کی نگرانی کرتا ہے تو وہ خوش نصیب ہو جاتا ہے اور نفس کے بہکاوں سے بچ جاتا ہے۔ اس کے لیے اسے مجاہدۂ نفس کرنا ضروری ہے اور اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ اسے تدریجاً کیا جائے۔ مجاہدۂ نفس تدریجاً کرنے سے نفس کو بوجھ بھی محسوس نہیں ہو گا اور اس کی تہذیب بھی ہوتی جائے گی اور اس سے یہ فائدہ حاصل ہو گا کہ تزکیۂ نفس بھی ہو جائے گا اور تصفیۂ باطن بھی جس کی بدولت انسان شرع شریف پر عمل کرے گا اور اللہ کا مطیع و فرمانبردار بن جائے گا۔

وہ توبہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ انسان کے نفس کی تہذیب کے لیے ضروری ہے کہ وہ تائبین میں سے ہو جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ توبہ ایسا آفتاب ہے کہ جب یہ طلوع ہوتا ہے تو انسان کو عالمِ آخرت کے لیے خوش خبری ملتی ہے اور اس کے گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں۔ ان کے افکار سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں جن میں سے سات کبھی کھلتے ہیں اور کبھی بند ہوتے ہیں لیکن درِ توبہ ایسا ہے کہ جو ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ جو توبہ کرتا ہے اس کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے اور توبہ کرنے والے سے راضی ہو جاتا ہے جس سے نفس کی تہذیب ہوتی ہے۔

رومی نے فکرِ موت کے ذریعے بھی نفس کی تہذیب کا ذکر کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ زاہد وہ شخص ہوتا ہے جس کی نظر آخرت پر ہو۔ اور آخرت پر نظر فکرِ موت سے ہی متوقع ہوتی ہے لہذا انسان کو فکرِ موت کرنی چاہیے۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان کے لیے ضروری ہے کہ اسے یہ یاد ہو اللہ ہر وقت اس کے ساتھ ہے اور زندگی اور موت اسی کی طرف سے ہے۔ لہذا بجائے دنیا کو آبِ حیات بنانے کے فکرِ موت سے ہی اُس کے نفس کی تہذیب ممکن ہے۔

ان کے کلام میں وصول الیٰ اللہ کا طریقہ بھی موجود ہے جس کی وجہ سے انسان نفس کے تمام متعلقات سے چھٹکارا پا سکتا ہے اور نفس کی تہذیب بھی کر سکتا ہے۔ اس حوالہ سے وہ کہتے ہیں کہ انسان کے وصول الیٰ اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ فکر کو شعار بنالے۔ تفکر سے اس پر درِ رحمت کھلے گا اور آخرت کی یاد سے نفس مہذب بن جائے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر انسان کی فکر جمود کا شکار ہے تو اس کا بھی حل ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان ذکرِ الٰہی میں مگن ہو جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ جو شخص ذکرِ الٰہی میں مگن ہو گیا اس کی فکر کھل جائے گی اور فکر سے وہ راستہ کھلے گا جو شاہِ حقیقی یعنی اللہ سے ملا دے گا۔ جب بندہ اللہ سے ملتا ہے تو نفس کے تمام فریبوں اور حیلوں سے بری ہو جاتا ہے۔

نتائج

- مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نفس دوزخ کا سرچشمہ ہے اور اس کو انہوں نے اسے خرگوش یعنی عقلِ ناقص اور کوے یعنی غلاظت خور اور مادرِ بُت سے تشبیہ دے کر اس کی تہذیب پر کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ احد اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کی بنا پر ہی اس ابوجہل سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے۔

- رومی نے نفس کی تہذیب کے لیے قوتِ ممیزہ (انسان میں پائی جانے والی ایسی صفت جو نظر نہیں آتی) اور ایسی عقل جس پر انوارِ الٰہی کی باران برستی ہو تفویض کی ہے۔ یہاں سے عقلِ محض مراد نہیں بلکہ ایسی عقل مراد ہے جس کا روحانیت سے تعلق ہو اور بندے کو اللہ رسول کے احکامات کی پابند بنانے میں کردار ادا کرے۔ ورنہ اگر عقلِ محض مراد لی جائے تو یہ ریشنل ازم سے متصور ہو گی جو کہ فساد پر مبنی تحریک ہے۔

- اُن کے ہاں نفس انسان میں ہر وقت گھات لگائے بیٹھا ہے اس کی تہذیب کے لیے تزکیہ وتصفیہ کا عمل ضروری ہے جو کہ عمل، ریاضت اور اخلاص پر مشتمل ہے نیز خواہشات پر تنقید کرنا بھی اس میں شامل ہے۔
- اُن کے ہاں تہذیبِ نفس کے ضمن میں وصول الیٰ اللہ کا طریقہ بھی ملتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر انسان اپنے افکار کو پاک کرلے تو اس کی بدولت درِ رحمت کھلے گا اور اس ذاتِ حق کا قرب بھی ملے گا۔

حواشی و حوالہ جات

مولانا جلال الدین رومی۔ (۱۳۶۵ھ). **مجالس سبعہ (ہفت خطبہ)**۔ تصحیح: توفیق سبحانی۔ انتشارات کیہان۔

Jalal al-Din Rumi. (1365H). *Majalis-e-Saba (Haft Khutbah)* (T. Subhani, Ed.). Insharat Kehaan.

مولانا جلال الدین محمد بن محمد رومی۔ (۱۳۸۱ھ). **نثر و شرح مثنوی شریف**۔ مرتبہ و ترجمہ و توضیح: عبد الباقی گولپینارلی، توفیق سبحانی۔ سازمان و انتشارات۔

Jalal al-Din Muhammad bin Muhammad Rumi. (1381H). *Nasar o Sharah Masnavi Sharif* (A. Gwalpinarli & T. Subhani, Eds.). Sazman wa Intisharaat.

کریم زمانی۔ (۱۳۹۸ھ). **شرح جامع مثنوی معنوی**۔ انتشارات اطلاعات۔

Zamani, K. (1398H*). Sharah Jama Masnavi Manavi*. Intisharaat Itilaat.

حکیم الامت محمد اشرف علی تھانوی۔ (۱۴۲۶ھ). **کلید مثنوی**۔ ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ۔

Thanvi, M. A. (1426H). *Kaleed Masnavi*. Idara Taleefat-e-Ashrafia.

مولوی محمد نذیر عرشی۔ (۲۰۰۵ء). **مفتاح العلوم: شرح مثنوی مولانا روم**۔ الفیصل ناشران و تاجران کتب۔

Arshi, M. N. (2005). *Miftah-ul-Uloom: Sharah Masnavi Moulana Roomi*. Al-Faisal Nashiran wa Tajiran Kutab.

اویسی، فیض ملت محمد فیض احمد ۔ (۱۹۷۹ء). **صدائے نوی اردو: شرح مثنوی مولانا معنوی**۔ مکتبہ اویسیہ رضویہ۔

Awaisi, F. M. (1979). *Sadaye Navi: Urdu Sharah Masnavi Moulana Manavi*. Maktaba Ovasia.

رومی، جلال الدین۔ (۲۰۱۵ء). **کلیات شمس (دیوان)**۔ تصحیح: بدیع الزمان فروزانفر۔ انتشارات ہرمس۔

Jalal al-Din Rumi. (2015). *Kulyat-e-Shams (Diwan)* (B. Z. Forouzanfar, Ed.). Intisharaat Hermis.

رومی، جلال الدین۔ (۱۳۸۶ھ). **فیہ ما فیہ**۔ تصحیح: بدیع الزمان فروزانفر۔ انتشارات زوار۔

Jalal al-Din Rumi. (1386H). *Feeh Ma Feeh* (B. Z. Forouzanfar, Ed.). Intisharaat Zawar.

رومی، جلال الدین۔ (۱۳۷۱ھ). **مکتوبات مولانا جلال الدین رومی**۔ تصحیح: توفیق سبحانی۔ نشر دانشگاہی۔

Jalal al-Din Rumi. (1371H). *Maktubat-e-Maulana Jalal al-Din Rumi* (T. Subhani, Ed.). Nashr Danishgahi.